ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

ہر وقت عاجزی و مسکنت کا شیوہ
ماننا حکمت تخلیق کے خلاف ہے کیوں کہ دنیا سے
[illegible]
کہ اسلام اپنے پیروؤں کو شائستگی، شرافت اور معقولیت
کا ضرور سکھاتا ہے مگر عاجزی، مسکنت نہیں سکھاتا کہ
وہ ہر ظالم کے لئے نرم چارہ بن کر رہیں۔"
(سید ابوالاعلیٰ مودودی)

تفہیم القرآن

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ١٧	صفر ١٤٢١ھ مئی ٢٠٠٠ء	شمارہ ٥

مدیر مسئول ابوالمکارم ازہری	**معاون مدیر** انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زر تعاون : ٥٠ روپے

☆ خصوصی زر تعاون : ١٠٠ روپے

☆ بیرون ملک : ٢٥ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے : ٣٠ روپے

☆ اعزازی زر تعاون : ١٠٠٠ روپے

☆ قیمت فی شمارہ : ٦ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد از جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ٢٧٦١٢١

Phone : 05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

ماہ ربیع الاول اور اس کے تقاضے		۳

○ نور ہدایت

"فأینما تولوا فثم وجه الله" کی صحیح تاویل	ضیاء الحق فلاحی	۵

○ ہدایت کے چراغ

امام زین العابدینؒ	ابو عمیس ندوی	۱۰

○ بحث و نظر

دعوت کے پہلے ہی مرحلہ میں حکومت الٰہیہ کا اعلان	مفتی کلیم رحمانی	۱۷
تحریک اسلامی کے بے قرار صف کا ایک عوامی منصوبہ	مولانا کلیم رحمانی	۲۲

○ مذاہب عالم

ہندومت (۹)		
شریمد بھگوت گیتا، تعارف و تجزیہ	انیس احمد فلاحی	۲۷

○ خبرنامہ

انڈونیشیا... عیسائیت کی زد میں	ادارہ	۳۲

○ فقہ و فتاویٰ

کافروں کی تعزیت کا حکم		
آیات لکھی انگوٹھی کا حکم	انوار قمر فلاحی	۳۵

○ شعر و ادب

نعت	قمر رام نگری	۳۶

○ جامعہ کے لیل و نہار

دو بزرگ اساتذہ کی حج بیت اللہ سے واپسی		۳۷
جائزہ کمیٹی اور اس کے تاثرات		
ششماہی امتحان، جمعیۃ الطلبہ کے تحت مرد و میں کی رونق		
دعائے صحت و اظہار تعزیت		

اداریہ

ماہ ربیع الاول اور اس کے تقاضے

انتظار الحسن مشہدی

آ گیا ربیع الاول کا مہینہ پھر آ گیا پھر دلوں میں محبت کی شمعیں جگمگائیں، پلکوں پہ عقیدت کے ستارے چمکے، ہماری سڑکیں، چوراہے اور گلیاں پھر طہارت و تزئین کا آئینہ بن گئیں۔ نعت و منقبت کی محفلیں گرم ہوئیں۔ ذہن و دماغ کے پردے پر پھر محمد عربی ﷺ کی سنت کا نقش اور اس سے لگاؤ کا جذبہ ابھرا، ہر گھر سے سیرت پاک کے جلوے پھوٹے، ہر لب، ہر زبان اور ہر دہن پر درود و سلام کا زمزمہ ہے ایسا لگتا ہے کہ ہر شخص محبت رسول ﷺ کی وارفتگی میں ابن مسعودؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ و ابن عباسؓ ہو گیا ہے اور ہر گھر ابو ایوب انصاری کا گھر بن گیا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ کی تاب انتظار ایمان و اخلاص کی چاندنی اچھال رہی ہے۔

اگر ایمان زندہ ہے تو یقیناً ایسا ہونا چاہئے۔ ایمان کامل ہو تو ممکن ہے کہ یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ نہ ہو۔ لیکن مدینہ کے لوگوں نے کیا انھیں روایات میں محو و گم ہو کر اللہ کی رضا کے جلوے دیکھے تھے؟ اگر ایسا ہے تو پھر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صحابہ کے کردار و اطوار کی شان جمال اپنی زندگی کے اندر پیدا کرنے کے لئے یوم ولادت پر خوشیاں منائے۔

لیکن خوشی کی بھی ایک غایت ہوتی ہے۔ زندہ قوموں کا امتیازی وصف رہا ہے کہ وہ اپنی خوشی کے اظہار میں اس حد تک آگے نہیں جاتیں کہ خوشی کا اظہار ہی ان کا ہدف و مقصود بن جائے اور جو ہدف و مقصود ان خوشیوں کی غایت ہو وہ پس منظر میں چلی جائے۔

خوشی منانے کے انداز، طریقہ کار اور ترجیحات کے التزامات کو حقیقت پسندی کی نگاہ سے دیکھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ملت نے اس خوشی کی غایت سے اپنی آنکھیں موند لی ہیں۔ کیوں کہ مدینہ میں جن لوگوں نے رسول ﷺ کی آمد پر خوشیوں کے دف بجائے تھے،

ان کی دینی غیرت و حمیت کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ یہ وقت باطل کے خلاف جنگ کا کل ہے۔ چنانچہ تھوڑی مدت بعد ہی وہ بدر واحد کے میدان میں اترے اور انتہائی بے سر و سامانی کے عالم میں دشمنوں کی کئی گونہ زیادہ فوج سے لڑے پھر دنیا نے وہ مرحلہ بھی دیکھا کہ رسول ﷺ دشمنوں کے نرغے میں آئے ان پر تیروں کی بارش ہوئی تو وقت جاکر خوشی کا اظہار کرنے والے ان ہی لوگوں نے اپنے سینوں پر تیر کھا کھا کر رسول ﷺ کی حفاظت کی اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ معرکے اندرون عرب اس وقت تک قائم رہے اور اس مدت میں انھوں نے چین کا کبھی سانس نہ لیا جب تک کہ خانہ کعبہ کو بتوں اور بت پرستوں سے واگذار نہ کرا لیا۔ لیکن رسول ﷺ کے یوم ولادت پر خوشیاں منانے والوں کی ایمانی غیرت پر اس وقت کوئی آنچ نہ آئی جب بابری مسجد کو ڈھاکر مندر میں تبدیل کر دیا گیا۔

پھر جن لوگوں نے یوم ولادت پر خوشی منانے کو ہی اپنی دینی شناخت بنا لیا ہے ان کے لئے غور کا مقام ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مہاجرین و انصار کے مابین مواخاۃ قائم کی تو مدینہ کے لوگوں نے مہاجرین کے لئے اپنے دلوں کے دروازے اس طرح کھول دیئے کہ ان کی تمناؤں اور آرزوں میں بھی اتحاد پیدا ہو گیا۔ وہ باہمی اتحاد میں یک جان دو قالب کا صحیح مصداق بن گئے لیکن اپنی مخصوص دینی شناخت والے لوگ نازک سے نازک گھڑی میں دین و ایمان کے شدید سے شدید تقاضوں کے باوجود بھی ملت کے اتحاد و یگانگت کا ادنیٰ مظاہرہ کرنے سے گریزاں رہے کہ مبادا ان کی دینی شناخت پر کوئی حرف آجائے۔

حقیقت واقعہ اگر ایسی ہی کچھ ہو تو سنجیدگی سے غور و فکر کرکے اس میں اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے ورنہ امت دین کے نام پر دین سے بے خبر اور دور ہوتی چلی جائے گی اور خوشیوں کی یہی بے ترتیب ہنگامہ آرائی دین حنیف کی جگہ لے لے گی۔ ☆☆

نور ہدایت

"فأينما تولوا فثم وجه الله"
کی صحیح تاویل

محمد ضیاء القمرین محمد ساجد حسین قریشی
شعبہ اختصاص فی علوم القرآن المعہد العالی۔ حیدر آباد

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

قرآن کریم ایک بہت بڑا انعام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمایا ہے۔ ارشاد ہے "شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن هدى للناس ....." (بقرہ ۱۸۵) رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے۔) یہ ایسی کتاب ہے جس پر ہر دور میں غور و فکر ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ چنانچہ علامہ اقبال نے اس شعر میں امت مسلمہ کو اسی غور و فکر کی تعلیم دی گئی ہے:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں　　　اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

یہ ایک اتھاہ سمندر ہے اور ہر غواص اپنی غوطہ زنی کے بعد اس سے ایک نیا صدف حاصل کرتا ہے اور انشاء اللہ اس میں غور کرنے والے کے لئے قیامت تک کے لئے رہنمائی ہے۔ اس میں دو قسم کی آیات ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرتے ہیں "هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب و أخر متشابهات ..." (آل عمران ۷) وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک محکمات جو کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہات۔ یعنی کچھ آیات وہ ہیں جن کی مراد بالکل واضح ہے اور جن کے الفاظ، معنی و مدعا پر صاف دلالت کرتے ہیں دوسری وہ آیات ہیں جن کا مفہوم میں ایک گنا شتباہ ہے اسی دوسری قسم کو ہم "مشکلات القرآن" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے اندر وہ آیات شامل ہیں جو نحوی صرفی یا لغوی لحاظ سے مشکل ہوں یا بظاہر تعارض کی وجہ سے ان کا سمجھنا دشوار ہو اسی پس منظر میں ہم ایک آیت پر غور کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ولله المشرق والمغرب فأينما تولوا فثم وجه الله"

البقرہ:۱۱۵) اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے پس جس طرف تم اپنا رخ پھیر لو تو وہیں اللہ کی ذات ہے بلا شبہ اللہ فیاض اور علیم ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ...فول وجهك شطر المسجد الحرام..... البقرہ ۱۴۴) مسجد حرام کی جانب اپنا رخ کرو۔

دونوں آیتوں میں بظاہر تعارض ہے کیوں کہ پہلی آیت اس بات پر دال ہے کہ کوئی جہت مخصوص نہیں خواہ کسی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔ جبکہ دوسری آیت سے استقبال قبلہ کا وجوب معلوم ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ظاہری تعارض کو کیوں کر رفع کیا جائے؟ یہ بات تو اپنی جگہ مسلم ہے نماز کی صحت کے لئے قبلہ شرط ہے اس لئے اس دوسری آیت میں تو کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی البتہ پہلی آیت کی ایسی توضیح کی جا سکتی ہے کہ تعارض ختم ہو جائے۔ اس آیت کے تعلق سے کئی ایک سوال ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ آیا یہ آیت نماز کے سلسلہ میں ہے یا دعا کے سلسلہ میں، پھر دوسری بات یہ کہ آیا یہ ناسخ ہے یا منسوخ، بہرحال ان سوالات کے جوابات دینے سے قبل ہم ان مرویات پر غور کریں جو اس سلسلہ میں وارد ہیں:

۱۔ عن عبدالله بن عامر بن ربيعه عن ابيه قال كنا مع النبی ﷺ في سفر في ليلة مظلمة فلم ندر أين القبلة فصلى كل رجل منا على حياله فلما اصبحنا ذكر ذلك للنبی ﷺ فنزلت "فأينما تولوا"

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک تاریک رات میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے رات اتنی تاریک تھی کہ ہمیں قبلہ کا پتہ نہیں چلا تو ہم میں سے ہر شخص نے اپنے یقین و خیال کی بنا پر نماز ادا کی پھر ہم نے صبح میں اس کا تذکرہ آپ ﷺ سے کیا تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (تفسير قرطبی ۱/۵۵، فتح القدير ۱/۱۹۶، ابن كثير ۱/۱۵۰-۱۵۱، تفسير كبير ۲/۳۶۱، الباب النقول :۲۷، اسباب النزول للواحدی :۴۳، ترمذی ۲/۱۲۵ ابواب التفسير)

۲۔ عن ابن عمرؓ قال كان رسول الله ﷺ يصلی وهو مقبل من مكة إلى المدينة على راحلته حيث كان وجهه قال وفيه نزلت "فأينما تولوا فثم وجه الله"

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ سے مدینہ اپنے راحلہ (سواری) پر نماز ادا کرتے ہوئے آ رہے تھے خواہ ان کا چہرہ جدھر بھی ہوتا، پھر فرمایا "فاینما تولوا" اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔ (تفسير قرطبی ۲/۵۵، فتح القدير ۱/۱۹۶-۱۹۷، ابن كثير ۱/۱۵۰-۱۵۱، تفسير كبير ۲/۳۶۱، لباب النقول :۲۶، اسباب النزول :۴۲، ترمذی ۲/۱۲۵، البحر المحيط ۱/۳۶۰، تفسير ابی السعود ۱/۱۵۰)

۳۔ عن قتادة أن النبی ﷺ قال إن أخاكم قد مات فصلوا عليه قالو انصلى على رجل ليس بمسلم؟ فأنزل الله "ولله المشرق والمغرب..."۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تم اس کی نماز جنازہ پڑھو صحابہؓ نے عرض کیا ہم اس شخص کی نماز جنازہ پڑھیں جو مسلم نہیں ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے "فاينما تولوا..." نازل کی۔ (تفسير قرطبی ۲/۵۶، ابن كثير ۱/۱۵۱، تفسير كبير ۲/۳۶۲، لباب النقول :۲۷، اسباب النزول :۴۳، البحر المحيط ۱/۳۶۰) یہ نجاشی کا واقعہ ہے جو اسلام لانے کے بعد آپ ﷺ سے ملنے کی غرض سے مدینہ آ رہا تھا تو راستہ ہی میں وفات ہو گئی۔

۴۔ عن ابن عباس قال إنه لما حولت القبلة عن بيت المقدس انكر اليهود ذلك فنزلت الآية عليهم۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب قبلہ بدل دیا گیا تو اسے یہودیوں نے ناپسند کیا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کی خاطر "فاینما تولوا..." نازل فرمایا۔ (تفسير قرطبی ۲/۵۷، تفسير كبير ۲/۳۶۱، لباب النقول :۲۶، اسباب النزول :۴۰)

۵۔ عن مجاهد وحسن والضحاك لما نزلت "أدعونی استجب لكم" قالوا الى اين؟ فنزلت

مجاہد، حسن اور ضحاک سے مروی ہے کہ جب "ادعونی استجب لکم" والی آیت نازل ہوئی تو اس وقت صحابہ نے کہا کہ کس طرف؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسير قرطبی ۲/۵۷، تفسير كبير ۲/۳۶۳، لباب النقول :۲۷، البحر المحيط

(۱/ ۳۶۰)

۲۔ قال قتادة وابن زيد ان الله نسخ بيبت المقدس بالتخيير الى اى جهة شاء بهذه الآية فكان للمسلمين أن يوجهوا الى حيث شاء وا في الصلوة ثم إنه تعالى نسخ ذلك بتعيين الكعبة.

قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالی نے بیت المقدس کے استقبال کا حکم منسوخ کرکے اس بات کی اجازت دی تھی کہ جس طرف چاہو رخ کرکے نماز ادا کرو۔ اس وقت مسلمانوں کے لئے اس بات کی آزادی تھی کہ نماز میں جس طرف چاہیں رخ کریں لیکن پھر اس اختیار کو کعبہ کے ذریعہ ختم کردیا گیا۔ (تفسیر قرطبی ۱/ ۵۷، تفسیر کبیر ۲/ ۳۶۱، ترمذی ۲/ ۱۲۵)

ان روایات سے متعدد باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ نہایت ہی تاریک رات میں اگر نماز ادا کرلی ہو تو اس آیت پر عمل کریں۔

۲۔ سفر کی حالت میں اگر سواری پر نفل ادا کرتی ہو تو قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری نہیں

۳۔ اس آیت سے یہود و نصاری کی فکر کی تردید مقصود ہے نہ کہ نماز کے استقبال کے معاملہ میں اختیار دینا۔ ایسی صورت میں یہ ناسخ ہے۔

۴۔ یہ آیت "ادعونی استجب لکم" کے سلسلہ میں پیدا شدہ سوال کہ کس جانب رخ کرکے دعا کی جائے؟ کا جواب ہے۔

۵۔ یہ آیت منسوخ ہے۔

ان تصریحات سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں :۱۔ ناسخ، ۲۔ منسوخ، ۳۔ مؤول

چنانچہ علامہ رازی لکھتے ہیں "إن فسرنا الآية بانهاتدل على تجويز التوبه الیای جهةفالاية منسوخةوان فسرنا بانها تدل على نسخ القبلةمن بيت المقدس الى الكعبة، فالاية ناسخة وان فسرنا بسائر الوجوه فهي لا ناسخة ولا منسوخة"

اگر ہم اس آیت کی تفسیر اس طریقہ سے کریں کہ جس سے یہ پتہ چلے کہ کسی طرف بھی توجہ کرکے نماز ادا کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی تو بلاشبہ اس صورت میں یہ آیت منسوخ

ہوگی اور اگر اس آیت کی تفسیر اس طرح سے کریں کہ اس آیت سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوکر کعبہ کو قبلہ بنایا گیا ہے تو بلاشبہ اس صورت میں یہ آیت ناسخ ہے اور اگر اسکی تفسیر تمام وجوہات کی مدد سے کی جائے تو یہ آیت نہ ناسخ ہے اور نہ منسوخ۔ (تفسیر کبیر ۲/ ۳۶۴)

رہی پہلی اور دوسری تفسیر تو اس صورت میں کسی تاویل و تشریح کی ضرورت نہیں البتہ تیسری تفسیر میں تشریح و تاویل ضروری ہے۔ اس سلسلے میں پہلے یہ دیکھا جائے کہ "اینما" نحوی لحاظ سے جملہ میں کیا واقع ہے؟ آیا مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ؟ اگر مفعول بہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ خواہ کسی طرف رخ کرکے نماز ادا کرو نماز ادا ہو جائے گی۔ اور اگر مفعول فیہ (ظرف) قرار دیں تو مطلب یہ ہوگا کہ خواہ کسی جگہ رہکر تم اپنا رخ کعبہ کی طرف کرکے نماز ادا کرو نماز ادا ہو جائے گی۔ مفعول فیہ ہونے کی صورت میں بھی کوئی مسئلہ پیش نہیں آتا، البتہ پہلی صورت میں ہم اسطرح تفسیر کریں گے کہ غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے دو ہی صورتوں میں نماز درست ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت یہ کہ رات اس قدر تاریک ہو کہ قبلہ کی جہت کا علم نہ ہو سکے اور نماز کی ادائیگی کے بعد یہ پتہ چلے کہ نماز غیر قبلہ کی جانب ادا کی گئی ہے۔ ۲۔ اگر سفر میں ہوں تو اس صورت میں راحلہ (سواری) پر غیر قبلہ کی جانب رخ کرکے بھی نفل نماز ادا کی جا سکتی ہے۔

اس تاویل سے خود بخود تعارض رفع ہو جاتا ہے اور آیت کو منسوخ تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ اس بنیاد پر اس آیت کو محکم تسلیم کرنا زیادہ بہتر اور راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح ہم اس آیت سے مستنبط مسائل پر عمل بھی کر سکتے ہیں اور جمہور کی رائے کا پاس و لحاظ بھی رکھ سکتے ہیں۔ بلاشبہ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کسی آیت کو منسوخ کہنے سے حتی الامکان بچا جائے۔ ☆☆

ہدایت کے چراغ

امام زین العابدینؒ

ابو جلیس ندوی

لشکرِ اسلام کی فوجیں ایران پہنچیں تو ایوان کسریٰ کے کنگرے بھی اس کے قدموں میں آ رہے۔ ایران کے آخری شہنشاہ یزدگرد نے جلاوطن ہو کر زندگی کے آخری ایام گذارے۔ اسکی تمام فوجیں، سپہ سالار، قائدین، شاہی بیگمات، شاہزادیاں اور کنیزیں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو کر مدینہ آئے۔

ان قیدیوں میں شاہ ایران کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔ تمام قیدیوں کو خرید خرید کر مسلمان اپنے گھر لے گئے۔ شاہ ایران کی تین بیٹیاں صرف باقی رہ گئیں، جن کے حسن و جمال کی رعنائیاں ستاروں کے منہ دھو رہی تھیں، جنکے بدن یاقوت دھوپ کو حرارت بخش رہے تھے اور جن کے شباب کا تموج بجلیوں کی خرمن نمائی کر رہا تھا۔

جب ان کے بکنے کی باری آئی تو آنکھوں میں اک حجاب کی دنیا لئے ہوئے، وہ سامنے آئیں، حضرت علیؓ نے دیکھا کہ۔ ان کی پلکوں کی منڈیروں پر حسرتوں کے چراغ لو دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کی پلکیں نمناک ہو گئیں، فوراً عمرؓ کے پاس گئے، عرض کیا۔

امیر المومنین! شاہزادیاں پھر شاہزادیاں ہیں۔۔ ان کے ساتھ برتاؤ ایسا ہونا چاہیے جو ان کی نزاکتِ احساس پہ بار نہ گزرے۔ مبادا برتاؤ کی تلخی ان کے آبگینۂ دل کو توڑ کے رکھ دے۔

حضرت عمر نے فرمایا:

ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا جائے گا۔

لیکن اسکی کیا صورت ہوگی؟

حضرت علی گویا ہوئے:۔

امیر المومنین! ان کی قیمتیں اتنی دو چند کر دی جائیں کہ کوئی عام آدمی ان کے خریدنے کی تاب نہ لا سکے۔۔۔۔۔ پھر ان کو اس بات کی بھی آزادی دی جائے کہ ان امیدواروں میں جنکو مناسب حال و مزاج سمجھیں اسکا خود انتخاب کر لیں۔ اس تدبیر سے یہ فائدہ ہوگا کہ صرف ایسے معزز لوگ ہی ان

کے امیدوار بن کر سامنے آسکیں گے جن کی معاشرت و معیت ان کے لیے خوش آئند ہو حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی۔ وہ مطمئن ہو گئے۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبداللہ بن عمرؓ کے عالمانہ وقار و تمکنت پر اپنی جان نثار کر دی۔

دوسری نے محمد بن ابو بکرؓ کے فضل و کمال کو اپنی عقیدت و محبت کا کعبۂ مقصود بنا لیا۔

اور تیسری شاہزادی شاہ زناں نے حسینؓ بن علیؓ کی پیشانی پہ شرف و فضیلت کے جگمگاتے افق کو اپنا مرکز دل و نگاہ بنا لیا۔

فطرت کی سلامتی کی بدولت شاہ زناں نے فوراً اسلام قبول کر لیا، پھر اسلام سے اس کے رشتے میں ایسی استواری آئی کہ اپنے بت پرست ماضی سے وابستگی کی کوئی نسبت اس کے لئے گوارا نہ رہی اسلئے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا۔ اب وہ شاہ زناں کے بجائے غزالہ کہی جانے لگیں۔

غزالہ کی زندگی خیر و خوبی، سعادت و کامرانی، فوز و فلاح، شرف و بندگی کا گہوارہ و تجلیات بن گئی کہ نوجوانان جنت کے سردار حسینؓ کی زوجیت کا امتیاز بہت بڑا امتیاز تھا، اب اسکی تمنا لذت آسودگی سے شاد کام ہو چکی تھی۔ وہ پیدا ہوئی تو منہ میں سونے کا چمچ لیکر ایران کے شاہی ایوان میں پیدا ہوئی اور جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا تربیت دین و اخلاق کے لئے جگر گوشۂ رسول کی عنایات کی جنت اس کے آغوش میں تھی۔

اسکی تمام دنیاوی آرزوئیں پوری ہو چکی تھیں صرف ایک تمنا رہ کر اس کے دل میں چٹکی لیتی کہ کاش نواسۂ رسول کے نسلی تسلسل کا ذریعہ بننے کی سعادت بھی اسے حاصل ہو جائے۔

کچھ دنوں کے بعد اللہ نے اسکی یہ تمنا بھی پوری کر دی اور اس کے بطن سے حسینؓ کے ایک لڑکا تولد ہوا۔ بالکل چاند جیسا روشن جبیں و روشن جمال۔

اس نے اس نو مولود کا نام تبرکاً علی رکھا تاکہ وہ اپنے دادا کے فضل و کمال اور صفات و خصوصیات کا حامل ہو۔

لیکن نو مولود کی پیدائش کی شادمانی غزالہ کے لئے پائیدار نہیں ثابت ہوئی۔ زچگی کے بخار میں ایسا مبتلا ہوئی کہ۔ جانبر نہ ہو سکیں!

اب نو مولود کی پرورش و پرداخت ایک کنیز کے سپرد ہوئی کنیز نے اس کو اس طرح پالا جیسے وہ اسی کا بچہ ہو۔ اور بچے نے بھی اسکو ایسا جانا مانا جیسے وہی اسکی حقیقی ماں ہو۔

علی بن حسینؑ ابھی بچے ہی تھے کہ تعلیم حاصل کرنے کا انہیں اشتیاق پیدا ہو گیا گھر ہی میں ان کی رسم بسم اللہ ہوئی اور امام حسینؑ ان کے پہلے معلم واستاد ہوئے ان کا دوسرا مدرسہ مسجد نبوی تھی۔ جنکی علمی محفلیں صحابہ کرام اور تابعین عظام کے وجود سے منور تھیں، وہ بڑے جوش و خروش، محبت و دلسوزی اور خلوص ولگن سے تعلیمات نبوت کا غلغلہ برپا کئے ہوئے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ آنے والی نسلیں دین وایمان کی ایسی دلدادہ بن کر ابھریں کہ اسلام کا غلبہ واقتدار ہی ان کی زندگی کا مقصد وحید ہو اسی نقطہ نظر سے وہ انہیں کتاب اللہ واحادیث رسول کا درس دیتے دین کے بنیادی مقاصد کی توضیح و تشریح کرتے۔ اور ان مقاصد کی تکمیل کے طریقہ کار کی نشاندہی ووضاحت کے لئے غزوات رسول اور واقعات سیرت کا تاریخی پس منظر اور دیگر تفصیلات بیان کرتے وہ انہیں عربی شعر وادب کی خصوصیات وامتیازات سے روشناس کراتے اس کے فنی وادبی محاسن اور بلاغی پہلوؤں کی نشاندہی کرتے تاکہ ان میں صحیح عربی ذوق پیدا ہو جس سے کتاب اللہ کے معانی ومطالب اور اسکی تفسیر وتشریح کی وسیع کائنات میں ان کا توسن فکر اپنی جولانی دکھا سکے۔

ساتھ ہی ساتھ وہ ان کے دلوں میں محبت الٰہی کی شمع روشن کرتے، تقویٰ، خدا ترسی خشیت و انابت کی روح پیدا کرتے تاکہ وہ ایسے باعمل عالم بن کر اٹھیں جن کی ذات سے ہدایت کے چشمے پھوٹیں۔

علی بن حسینؑ کو تمام فنون میں کمال حاصل ہوا لیکن سب سے زیادہ عشق ان کو کتاب اللہ سے تھا۔ اسکی تلاوت اور آیات میں غور وفکر اور مسلسل تدبر میں ان کے قلب وروح کی تسکین تھی۔ دوران تلاوت انذار و تبشیر کے مقامات آتے تو ان کے جذبات کو نامعلوم کیفیت اور حرکت و تحریک ملتی۔ اگر جنت کا ذکر آتا تو اشتیاق جنت ان کا دل ہی لے اڑتا اور جہنم کا ذکر آجاتا تو آنکھوں سے بیقراری کے آنسو اسطرح جاری ہوتے جیسے جہنم کے شعلے ان کی رگوں میں پیوست ہوں۔

علی بن حسینؑ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو ان کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔

اب وہ مدینہ کے سب سے زیادہ معتبر عالم دین تھے۔ سب سے زیادہ عبادت گذار تھے۔ اسی طرح اخلاقی فضل و شرف میں سب سے بلند مرتبہ نیکی ودینداری میں سب پر فائق اور علم معرفت کے میدان میں سب سے آگے تھے۔ ان کی عبادت میں بڑا حسن وجمال تھا۔ وہ جب محراب عبادت میں کھڑے ہوتے تو

دیکھنے والوں کو بھی نماز کی لذت کا احساس ہوتا اور ان کو نماز کی رغبت حاصل ہوتی اسی لئے لوگ ان کو زین العابدین کہنے لگے یہ خطاب ان پر ایسا منطبق ہوا کہ اصل نام کی جگہ اسی کو شہرت حاصل ہو گئی۔

اسی طرح سجدے میں ان کے محویت واستغراق کو دیکھ کر کچھ لوگ سجاد کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ ان کے نفس کی پاکیزگی اور قلب وروح کی طہارت نے کچھ لوگوں کو متاثر کیا تو وہ انہیں زکی کے لقب سے پکارنے لگے۔

امام زین العابدین پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ عبادت دعا ہی سے عبارت ہے اس لئے وہ دعا کا بڑا اہتمام کرتے۔ دعا میں ان کو بڑی لذت و قوت ملتی خصوصاً خانہ کعبہ کے دروازے سے چمٹ جاتے تو ان کی کیفیت دعا دیدنی ہوتی۔

وہ اکثر دعا میں کہتے۔!

اے میرے رب، تیری بے پناہ رحمتوں کا میں بارہا تجربہ کر چکا ہوں۔ تیرے بے انتہا لطف وکرم سے ابھی میرا دیرینہ واسطہ رہا ہے۔ تیرے بے پایاں انعام واکرام کا بھی خوگر رہا ہوں۔ اسی لئے تجھ سے مانگنے میں مجھے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی اور بے مانگ مانگتا ہوں اے رب میں بدنصیب ہوں اپنی رحمت سے مجھ کو خوش نصیب بنا دے، میں ناتواں ہوں تیرا حق مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، مجھ کو بخش دے سراپا معصیت ہوں اے ارحم الراحمین اپنی رحمت ومغفرت کی چادر میرے اوپر ڈال دے۔

اے اکرم الاکرمین میری کشتی حیات بے پتوار ہے اسے اپنے کرم کا پتوار عطا فرما۔ مجھے ڈوبنے سے بچالے۔

ایک بار مشہور تابعی طاؤس بن کیسان نے کعبہ کے پاس انہیں دیکھا، مرغ بسمل کی طرح تڑپ تڑپ کر گریہ ومناجات میں محو تھے، وہ ان کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ فارغ

ہوئے تو ان کے قریب گئے، کہا

اے آل رسول آپ کو تین فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو آپ کے ہر خوف کو امن واطمینان سے بدل دینے کے لئے کافی ہیں

کو کھری کھری سنائی اور واپس آ گیا، وہ کچھ نہ بولے۔

رات کو میں سونے کی تیاری کر رہا تھا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ جا کے دیکھا تو زین العابدین کھڑے تھے، مجھے فوراً یقین ہو گیا کہ وہ میری تلخ و ترش باتوں کا جواب لینے آئے ہیں۔ لیکن ان کی شرافت کی انتہا پر میں حیران رہ گیا کہ انھوں نے مجھے کچھ نہ کہا، صرف اتنا کہا۔

تم نے جو کچھ مجھے کہا وہ درست ہو تو اللہ مجھے معاف فرمائے اگر خدانخواستہ تمہاری کہی ہوئی باتیں اصلیت سے بعید رشتہ ہوں تو اللہ تمہاری مغفرت فرمائے۔

اتنا کہا اور سلام کر کے چلے گئے۔

ان کے اس انداز شرافت نے مجھے پانی پانی کر دیا میں بھاگا بھاگا پھر ان کے پاس پہنچا کہا۔

خدا اب کبھی کوئی ایسی بات زبان پر نہیں لاؤں گا جس سے آپ کو ناگواری ہو۔

وہ فوراً مڑ گئے اور کہا جاؤ اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں، میں تم سے خوش ہوں۔

مدینہ کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ:۔

مسجد سے امام زین العابدین ایک دن نکلے تو میں نے بھی ان کے پیچھے ہو لیا اور نہ جانے کیوں بلا وجہ میں ان کو صلوات سنانے لگا۔

میری اس بیہودہ حرکت پر لوگوں کو غصہ آیا مجھے پکڑنے کے لیے دوڑے، لیکن انھوں نے منع کر دیا ٹھہرے ہوئے لوگ مجھے پکڑ کر چھوڑ دیے

لوگوں کو اس طرح غضبناک دیکھ کر مجھ پر خوف طاری ہو گیا اور کانپنے لگا۔ مجھے اس طرح گھبرایا دیکھ کر وہ قریب آئے اور کہا۔

میرے بارے میں تم کو جو کچھ معلوم ہو سکا وہی تم نے کہا جو تم کو معلوم نہیں وہ بہت زیادہ ہے۔ میں تو بہت زیادہ گنہگار ہوں۔

پھر فرمایا۔ اگر تمہیں کوئی پریشانی ہو تو بتاؤ میں پوری مدد کروں گا۔ یہ سنا تو ندامت کے مارے لب سی دیے زبان سے ایک حرف نہ نکلا۔

بتاؤ کیا کیا؟

امام زین العابدین نے پوچھا پہلی فضیلت طاؤس نے کہا، یہ ہے۔ کہ آپ آل رسول میں ہیں

دوسری رسول اللہ کی آپ کے لیے شفاعت

تیسری رحمت الٰہی

اے طاؤس، امام زین العابدین نے فرمایا:۔

رسول اللہ ﷺ سے نسبی تعلق آخر میرے کس کام آئے گا جبکہ ارشاد باری ہے

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم یومئذ

ترجمہ

جس دن صور پھونکا جائے گا رشتے ناتے کسی کے کام نہ آئیں گے۔

رہی رسول ﷺ کی میرے حق میں شفاعت

تو سنو! اللہ فرماتا ہے۔ لا یشفعون الا لمن ارتضی

وہ اسی کی شفاعت کریں گے جس کے عمل سے راضی ہوں۔ اور اللہ اپنی رحمت سے کسے نوازے گا تو یہ بھی اسی کی زبانی سنو۔

ان رحمة الله قریب من المحسنین۔

اللہ کی رحمت ان ہی لوگوں کے حصہ میں آئے گی جو حسن عمل کی دولت سے مالا مال ہوں۔

تقویٰ و پاکبازی نے ان کی شخصیت میں تحمل و کمال، شرافت و دیانت اخلاق و مروت، رحمت و رافت اور سخاوت کی وہ عظیم صفات پیدا کر دی تھیں کہ ہر معاملے میں آپ کا رتبہ دین و شریعت کی تعلیمات کا دلدادہ مرقع بن گیا۔

جن سے کتب سیرت کی زینت میں اضافہ ہوا ایک واقعہ ان کے چچا زاد بھائی امام حسن کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں۔

سنئے!

وہ کہتے ہیں! کسی بات پر زین العابدین سے میری ان بن ہو گئی۔ مجھے غصہ آیا۔ میں غصہ سے بھرا ہوا مسجد میں ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنے شاگردوں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ میں نے جی بھر کر ان

انھوں نے مری شرمساری دیکھی تو اپنے بدن کی چادر اتار کر میرے شانے پر ڈال دی اور مزید ایک ہزار درہم عنایت فرمائے۔

اس واقعہ کے بعد میں جب بھی ان کو دیکھتا بے اختیار زبان سے یہی نکلتا "آپ صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کی نسل سے ہیں۔" ان کی نازک دلی کا ایک واقعہ ان کے ایک غلام کی زبانی سنئے۔ وہ کہتا ہے:

میں جن دنوں ان کا غلام تھا، انھوں نے مجھے کسی ضرورت سے بھیجا۔ میں نے کچھ زیادہ ہی دیر کر دی۔ واپس آیا تو انھوں نے ایک کوڑا میری پشت پر مار دیا۔ چونکہ اس سے پہلے انھوں نے کبھی مجھ کو مارا نہ تھا، اس لئے مجھے غصہ آگیا اور کہہ دیا کہ "اے علی ابن حسین اللہ سے ڈریئے، جو شخص آپ کی خدمت بجالائے اس کو کوڑے مارنا جائز نہیں۔" یہ سنا تو ان کی آنکھیں چھلک پڑیں، روتے ہوئے کہا: مجھ سے غلطی ہو گئی، معاف کر دو۔ جاؤ مسجد میں دو رکعت نفل ادا کر کے میری معافی کی دعا مانگو اور کہو اللہ علی بن حسین کو معاف کر دے۔ یہ کام کر دو تو تم آزاد ہو۔ غلام گیا دو رکعت نماز ادا کر کے دعا مانگی اور واپس آیا تو آزاد تھا۔

اللہ تعالیٰ نے امام زین العابدین کے رزق میں بڑی وسعت عطا فرمائی تھی۔ وہ ایک کامیاب تاجر تھے، تجارت کے علاوہ کاشتکاری بھی اچھی تھی۔ وہ ان دونوں سے حاصل شدہ منافع کو آخرت کے کاموں میں صرف کرتے۔

ان کے معمولات کا ایک حصہ وہ خفیہ صدقات و خیرات تھے، جن کے بارے میں لینے والوں کو بھی نہ معلوم ہوتا کہ یہ کہاں سے ان کو حاصل ہو رہا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب رات کا اندھیرا پھیل جاتا تو اپنی اطہر پشت پر آٹے کی بوریاں لاد لیتے اور ان ضرورت مندوں کے گھر ڈال آتے جو مانگنے کو عار سمجھتے۔ اس طرح مدینہ کے متعدد خانوادے راحت کی زندگی بسر کرتے لیکن ان کو اپنے گذران کا ذریعہ اور سرچشمہ نہ معلوم ہوتا۔ جب ان کا انتقال ہوا اور بوریاں ملنی بند ہو گئیں تب لوگ سمجھ پائے۔ جب ان کو غسل دیا جانے لگا تو دکھائی دیا کہ ان کی پشت پر بوریوں کے سیاہ نشان ہیں

بحث و نظر

دعوت کے پہلے ہی حکم میں حکومت الٰہیہ کا اعلان

مفتی کلیم رحمانی

پوسد۔ مہاراشٹر

قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ ہے۔ یاایھا المدثر ○ قم فانذر ○ و ربک فکبر ○ و ثیابک فطھر ○ و الرجز فاھجر ○ ولا تمنن تستکثر ○ و لربک فاصبر ○ (المدثر ۱ تا ۷)

ترجمہ۔ "اے چادر اوڑھنے والے اٹھیے اور ڈرایئے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے اور زیادہ چاہنے کیلئے احسان مت کیجئے اور اپنے رب کیلئے صبر کیجئے"۔ مذکورہ سات آیات وہ ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری وحی میں نازل ہوئیں، پہلی وحی میں سورہ علق کی چند ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں جس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے علومِ الٰہیہ کی فکر کو پیش کر دیا تھا اس کے بعد ایک مدت تک وحی کا سلسلہ بند رہا جس میں آنحضور بہت غمگین رہا کرتے تھے اسی مدت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضور نے فرمایا: "ایک مرتبہ میں راستے سے چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے میں خوف زدہ ہو گیا یہاں تک کہ میں زمین پر گر گیا، میں گھر آیا اور کہا مجھ کو کپڑا اڑھا دو کپڑا اڑھا دو انھوں نے مجھ کو کپڑا اڑھا دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

دعوت کے حکم کے لحاظ سے یہ پہلی وحی ہے کیونکہ اس سے پہلے جو وحی نازل ہوئی تھی اس میں دعوت کا حکم نہیں تھا۔ مذکورہ آیات میں جو باتیں قابل توجہ ہیں ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ دعوت دین کا کام اپنے ذاتی راحت و آرام کو قربان کر دینے اور ہر قسم کی گھبراہٹ سے بے نیاز ہو جانے کا متقاضی ہے، چنانچہ یہ بات نزول وحی کی کیفیت میں پورے طور پر پائی جاتی ہے اگر اللہ تعالیٰ

چاہتا تو یہ حکم اس وقت بھی نازل کر سکتا تھا جب آنحضور ﷺ کسی قسم کی گھبراہٹ میں نہ ہوتے اور نہ آرام فرما ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں یہ وحی نازل فرما کر آنحضور اور امت مسلمہ کو گویا یہ واضح پیغام دے دیا کہ دعوت دین اور حکومت الٰہیہ کے قیام کا کام ذاتی راحت و آرام اور دنیا کے ہر قسم کے ڈر و خوف سے بے نیاز ہو جانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دعوت دین اور حکومت الٰہیہ کا کام ذاتی راحت و آرام اور گھبراہٹ سے متصادم ہے۔ اور آنحضور کی پوری زندگی اس کا کامل نمونہ پیش کرتی ہے۔ چنانچہ دعوت دین اور حکومت الٰہیہ کے کام میں آپ ﷺ نے کبھی اپنے ذاتی راحت و آرام اور ڈر و خوف کی پرواہ نہیں کی۔

دوسری آیت میں جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضور کو مخاطب کرتے کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ کھڑے ہونے کا لفظ کسی کام کے لئے ہمیشہ تیار رہنے اور دوڑ دھوپ کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت دین اور حکومت الٰہیہ کا کام ہمیشہ تیاری اور دوڑ دھوپ کا متقاضی ہے تیاری اور دوڑ دھوپ کے بغیر یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔

اسی آیت میں ایک اور بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ڈرانے کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے لوگوں کو اللہ کے غضب و عذاب سے ڈرایا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی ابتدائی دعوت اور اللہ کے غضب و عذاب سے ڈرانے میں بہت گہرا تعلق ہے۔ جو شخص اسلام کی ابتدائی دعوت میں اللہ کے غضب و عذاب کے بجائے اس کے عفو و درگزر کو پیش کرے تو دعوت کا یہ طریقہ اللہ کے تلقین کئے ہوئے طریقہ کے خلاف ہے۔ اللہ کا تلقین کیا ہوا طریقہ یہ ہے [illegible] سامنے صرف اللہ کے غضب و عذاب کو پیش کیا جائے تاکہ ان کے اندر اللہ کا ڈر پیدا ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مکی دور میں جو قرآن نازل ہوا اس میں اللہ کے عفو و درگزر کی بہ نسبت اللہ کے غضب و عذاب کا ذکر زیادہ ہے، کیونکہ اس دور میں اسلام کی دعوت ابتدائی مرحلہ میں تھی اور اس کے اولین مخاطبوں کی اکثریت کافروں پر مشتمل تھی۔

اور خود آنحضور کو یہی حکم تھا کہ لوگوں کو اللہ کے غضب و عذاب سے زیادہ سے زیادہ ڈرایا جائے اور اسی حکم کے مطابق آنحضور نے لوگوں کے سامنے اللہ کے غضب و عذاب کو زیادہ سے زیادہ پیش کیا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضور کو مخاطب کر کے یہ حکم نازل فرمایا: وانذر عشیرتک الاقربین (شعراء آیہ ۲۱۴) یعنی

اپنے خاندان کے قریبی لوگوں کو ڈرائیے۔ تو آنحضور کوہ صفا پر چڑھے اور قریش کے مختلف قبائل کو آواز دی جب سب جمع ہو گئے تو حضور نے فرمایا اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ پہاڑی اس جانب ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم یقین کرو گے سب نے کہا ہاں کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔ تو حضور نے فرمایا میں تو تم کو سخت عذاب سے پہلے ڈرا رہا ہوں تو ابولہب کہنے لگا تیرے لئے ہلاکت ہو کیا تو نے ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

مذکورہ حکم اور حضور کے طریقہ دعوت میں دین کے داعیوں کے لئے ایک بہت بڑا پیغام موجود ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کی ابتدائی دعوت میں لوگوں کو اللہ کے غضب و عذاب سے زیادہ سے زیادہ ڈرایا جائے اور مثال بھی دی جائے تو ایسی دی جائے جس میں ڈر موجود ہو۔ جیسا کہ حضور نے لشکر کے حملہ کی مثال دی۔ کیونکہ دنیوی لحاظ سے سب سے بڑا ڈر لشکر کے حملہ کا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں کسی کی پرواہ نہ کی جائے اور نہ بدسلوکی سے ڈرا جائے لیکن بدقسمتی سے آج دعوتی میدان سے یہ دونوں ہی چیزیں غائب ہو چکی ہیں اور وہ اس طرح کہ دین کے داعی لوگوں کو اللہ سے کم ڈراتے ہیں اور سبز باغ زیادہ دکھاتے ہیں اور صحیح طریقہ سے دعوت پہنچانے کی فکر کم کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بچانے کی فکر زیادہ کرتے ہیں۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ نہ صرف غیر مسلم اسلام کے صحیح پیغام سے محروم رہے بلکہ خود بہت سے مسلمان اسلام کی بیشتر تعلیمات سے ناواقف رہے۔ خصوصاً وہ تعلیمات جو اسلام کے غلبہ سے متعلق ہیں۔

آنحضور نے نہ صرف یہ کہ دعوت میں ڈر کے پہلو کو پیش کیا بلکہ اہل ایمان کی تعلیم و تربیت میں بھی ڈر کے پہلو کو غالب رکھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے اور جو انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان شمار ہوتے ہیں اپنے متعلق کہتے ہیں کہ: "کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا، کبھی کہتے کاش میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے، کبھی کہتے کاش میں کسی مومن کا بال ہوتا"۔ ایک مرتبہ باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "تو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے پیتا ہے درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ سے کوئی حساب نہیں"۔ (تاریخ الخلفاء)

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و حدیث میں اللہ کے انعام و اکرام کی خوشخبری بھی ہے

لیکن یہ ان لوگوں کیلئے ہے جو ایمان قبول کر کے اس کے تقاضوں کو پورا کریں۔ تیسری آیت میں جو بات قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے یہ حکم آپؐ کے توسط سے پوری امتِ مسلمہ کے لئے ہے، جیسا کہ رب کی تعریف میں یہ بات آچکی کہ رب کے معنی قانون ساز و حکمراں کے ہیں اسلئے اب مذکورہ حکم کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی قانون سازی و حکمرانی کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ اس زمین پر اللہ کی قانون سازی و حکمرانی کو قائم کیجئے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام کی ابتدائی دعوت اور حکومتِ الٰہیہ کی دعوت میں بہت گہرا تعلق ہے، اگر اسلام کی ابتدائی دعوت حکومتِ الٰہیہ کی فکر و دعوت سے خالی ہو تو یہ ایک ناقص دعوت ہے، یہ دعوت کسی انسانی دین کی دعوت تو ہو سکتی ہے خدائی دین کی دعوت نہیں ہو سکتی۔ اس حکم سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ پہلی وحی اور دوسری وحی میں بہت گہرا ربط ہے وہ یہ کہ پہلی وحی میں اللہ تعالیٰ نے "اقرأ باسم ربک" فرما کر حکومتِ الٰہیہ کی فکر کو پیش کر دیا اور دوسری وحی میں "وربک فکبر" فرما کر حکومتِ الٰہیہ کی فکر اور اس کے قیام کے تصور کو اسلام کی ابتدائی دعوت ہی سے اسلئے جوڑ دیا کہ کیونکہ جس عقیدہ و عمل کے ساتھ کسی حکومت کی فکر و قوت نہ ہو وہ عقیدہ و عمل نہ دنیا میں قرار پا سکتا ہے اور نہ نشو و نما اور صحیح حالت میں باقی رہ سکتا ہے چاہے وہ عقیدہ و عمل کتنا ہی اچھا ہو، اسی طرح انسانوں کی بہت سی ضروریاتِ زندگی کا تعلق کسی بھی حکومت کی فکر و قوت سے جڑا ہوا ہے، معلوم ہوا کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ کسی حکومت کے وجود سے خالی نہیں ہو سکتا، چاہے وہ حکومت عادل ہوگی یا باطل۔ اب اگر حق پرستوں کے پاس کسی حکومت کی فکر و قوت نہ ہو تو لازماً انہیں اپنے بہت سے مسائل کے حل کیلئے باطل حکومت کے محتاج ہونا پڑے گا اور پھر باطل حکومت ضرور ان کے عقیدہ و عمل پر اثر انداز ہوگی۔ ایک دوسرے پہلو سے بھی حق پرستوں کے لئے حکومتِ الٰہیہ کی ضرورت ناگزیر ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ باطل حکومت نے ہمیشہ حکومتی فکر و قوت کے بل بوتے پر حق اور اہلِ حق کو دبانے اور مٹانے کی کوشش کی ہے ظاہر ہے باطل حکومت کا مقابلہ کسی حکومت ہی سے کیا جا سکتا ہے اور وہ حکومتِ الٰہیہ ہی ہو سکتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں حکومتِ الٰہیہ کی فکر دیکر اہلِ ایمان پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تاکہ ایمان والے ایمان قبول کرنے کے ساتھ ہی حکومتِ الٰہیہ کی فکر سے

جڑے رہیں اور کسی باطل حکومت کے محتاج نہ ہوں اور نہ اس کی فکر و قوت سے مرعوب ہوں، لیکن یہ المیہ ہی ہے کہ آج اکثر و بیشتر مسلمان ایمان کی حالت میں ہونے کے باوجود حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے جڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور سالہا سال سے باطل حکومت کے محتاج بنے ہوئے ہیں اور اسکی فکر و قوت سے مرعوب ہیں۔ مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے جڑنے کو دینی ضرورت قرار دیکر اس سے دور رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو اہلِ ایمان حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے جڑنے کی بات کرتے ہیں ان پر لعنت و ملامت کرتے ہیں۔

کسی نظریہ و عمل کی برقراری و ترقی میں حکومت کی فکر و قوت کا کتنا زیادہ دخل ہوتا ہے ـ دنیا کی تاریخ سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے، چنانچہ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن نظریات کے پاس حکومت کی فکر و قوت نہ تھی وہ دنیا سے سسکیاں لے کر دم توڑ گئے۔ چاہے وہ نظریات اچھے رہے ہوں۔ اور جن نظریات کے پاس حکومت کی فکر و قوت تھی دنیا میں ان کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے چاہے وہ نظریات غلط رہے ہوں۔ اور آج بھی دنیا میں باطل نظریات جو سر چڑھ کر بول رہے ہیں، حکومت کی فکر و قوت کے بل بوتے پر بول رہے ہیں۔ اور آج جو اسلامی نظریہ و عمل کو انسانوں کی زندگیوں سے دور کیا جا رہا ہے اور دنیا میں اسلام کو دبایا جا رہا ہے، حکومت کی قوت کے بل بوتے پر دبایا جا رہا ہے۔ کیونکہ باطل نظریات کے حاملین اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی نظریہ و عمل اتنا زیادہ حقانیت پر مبنی ہے جو بہت جلد انسانی ذہن و عمل میں جگہ بنا لیتا ہے۔ اور اسکے ساتھ اگر ذرا سی بھی حکومت کی قوت شامل ہو جائے تو وہ باطل کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ دنیا کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے جڑے رہے دنیا میں اسلام غالب رہا اور باطل مغلوب رہا، اور مسلمان پوری دنیا کے امام بنے رہے۔ اور جب بھی حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے مسلمانوں کا رشتہ ٹوٹا اسلام دنیا میں مغلوب ہو گیا اور باطل غالب آگیا، اور خود مسلمانوں کی زندگیاں اسلامی تعلیمات سے محروم ہو گئیں اور باطل پرستوں نے مسلمانوں کو اپنی غلامی کے لائق بھی نہیں سمجھا اور ان کا یہ سمجھنا درست بھی تھا، کیونکہ جو اپنے مالکِ حقیقی کی غلامی نہ کر سکے وہ غیر حقیقی مالک کی غلامی کیا کریں گے۔

اور آج بھی دنیا میں جو کروڑوں مسلمان اسلام کی بیشتر تعلیمات سے محروم ہو کر محکومیت و مرعوبیت کی زندگی گزار رہے ہیں اسکی اصل وجہ حکومتِ الٰہیہ کی فکر و قوت سے اپنا رشتہ توڑ لینا ہے

۔ اور جو تھوڑے مسلمان اسلام کی مکمل تعلیمات سے بہرہ مند ہو کر باطل کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں حکومت الٰہیہ کی فکر و قوت سے جڑنے کی راہ پر چلتے ہوئے ہیں۔ اس لئے ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ حکومت الٰہیہ کی فکر کو اپنی فکر بنائے اور اسکی قوت کو اپنی قوت بنائے۔ اسکے بغیر نہ مسلمان کی فکر پختہ ہو سکتی ہے اور نہ اس کی قوت مضبوط ہو سکتی ہے۔

چوتھی اور پانچویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مخاطب کر کے کپڑے پاک رکھنے اور گندگی سے دور رہنے کا حکم دیا۔ یہ حکم آپ کے توسط سے پوری امت مسلمہ کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں پاکی کی کتنی اہمیت ہے اور گندگی سے بچنا کتنا ضروری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی دوسری وحی میں دعوت اور حکومت الٰہیہ کے حکم کے ساتھ ہی اس کا حکم نازل فرمایا۔ کپڑوں کو پاک رکھنے کا ایک مطلب زندگی کو پاک رکھنا بھی ہے یعنی غلط عقائد و اعمال سے زندگی کو پاک رکھنا اور چونکہ اپنے آپ کو پاک رکھنے کے لئے گندگی سے دور رہنا ضروری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکے متصل ہی اس کا حکم دیا۔ گندگی سے مراد ہر قسم کی گندگی ہے۔ چاہے عقائد و اعمال کی گندگی ہو یا نجاست و ناپاکی کی گندگی ہو۔ چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ زیادہ چاہنے کے لئے احسان مت کیجئے۔ یہ حکم بھی حضورؐ کے ذریعے سے پوری امت مسلمہ کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی پر اس خواہش سے احسان مت کرو کہ دنیا میں زیادہ مال و عزت حاصل ہو جائے بلکہ ہر احسان اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے کرو۔ اور جب احسان کے ساتھ زیادہ مال و عزت کے حصول کی خواہش ممنوع قرار دی گئی تو اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دینی فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی میں زیادہ مال و عزت کے حصول کی خواہش کتنی زیادہ ممنوع ہوگی۔ دراصل یہ ایک اہم ہدایت ہے جسکے بغیر ایک قدم بھی اسلام کا راستہ طے نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ دینی فرائض و ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بسا اوقات نہ صرف یہ کہ دنیا میں زیادہ مال و عزت حاصل نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ مال و عزت ہے وہ بھی اس راہ میں قربان ہو جاتی ہے خصوصاً اسلام کی مغلوبیت کے دور میں۔ ساتویں آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مخاطب کر کے اپنے رب کے لئے صبر کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم بھی پوری امت مسلمہ کے لئے ہے۔ صبر کے معنی ہیں دعوت دین اور غلبہ دین کی راہ میں دشمنان اسلام کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کی پرواہ نہ کرنا۔

حلقۂ فکر

تحریک اسلامی کے لئے
فراغت وقت کا ایک
ابتدائی منصوبہ

مفتی کلیم رحمانی، پوسد، مہاراشٹر

تحریک اسلامی سے مراد وہ تحریک ہے جو دین اسلام کے غلبہ کے لئے برپا کی گئی ہو۔ غلبہ اسلام کا کام جتنا عظیم ہے اتنا ہی کٹھن بھی ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے جن چیزوں کی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے ایک وقت کی قربانی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وقت کی قربانی تحریک اسلامی کے لئے ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ جان و مال کی قربانی کی کامیابی کا انحصار بھی وقت کی قربانی پر ہے اگر جان و مال کی قربانی کے ساتھ وقت کی قربانی نہ کی ہو تو جان و مال کی قربانی کے صحیح نتائج ظاہر نہیں ہو سکتے اور دیکھا جائے تو وقت کی قربانی کے بغیر جان و مال کی قربانی کا میدان ہی فراہم نہیں ہوتا۔

اس وقت برصغیر کی تحریک اسلامی کے پاس فراغت وقت کا جو منصوبہ ہے اس کو کسی بھی صورت میں کافی اور اطمینان بخش نہیں کہا جا سکتا اور نہ ابتدائی قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آج تحریک اسلامی کام کے جو اعلیٰ منصوبے بناتی ہے ان میں سے بیشتر پورے نہیں ہو پاتے۔ اس کی اصل وجہ تمام ارکان و کارکنان، متفقین و ہمدردان و متوسلین کے لئے فراغت وقت کا کوئی لازمی منصوبہ کا نہ ہونا ہے۔ ذیل میں تحریک اسلامی کے لئے فراغت وقت کا ایک ابتدائی منصوبہ دیا جا رہا ہے۔ اگر ذمہ داران تحریک اس کو تحریک کے ہر فرد کے لئے لازم کر دیں تو اس بات کی پوری امید ہے کہ تحریک کا ہر منصوبہ روبہ عمل آئے گا اور تحریکی افراد کی تربیت سازی و افراد سازی کے کام میں غیر معمولی اضافہ ہوگا۔

فراغت وقت کا سالانہ منصوبہ یہ ہے کہ تحریک اسلامی کے ہر رکن، متفق، ہمدرد و متوسل کے لئے سال میں ایک ساتھ دس دن کی فراغت تحریک کے لئے لازم کر دی جائے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہو کہ دس دن کی یہ فراغت جماعت کی صورت میں ہو جس میں کم سے کم تین

افراد ہوں اور زیادہ سے زیادہ دس افراد۔ جماعت کا ایک امیر ہو اور امیر ایسے شخص کو بنایا جائے جو تحریک اسلامی کے مقصد اور مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ یہ جماعت اپنے مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقامات پر جائے جہاں مسلمانوں کی آبادی ہو اور ہر مقام پر ایک دن، رات قیام کرے اور اپنے ساتھ قیام و طعام کے لوازمات بھی رکھے اور اس مقام کی مسجد میں ٹھہرنے کی کوشش کرے۔ اگر مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملے تو اسی مقام میں کسی اور جگہ ٹھہر جائے۔ اگر اس مقام کی مسجد میں کام کرنے کی اجازت ملے تو ظہر کی نماز کے بعد اعلان کر کے حاضرین مسجد کے سامنے جماعت کی آمد سے متعلق چند تعارفی باتیں کہہ دی جائیں پھر عصر کی نماز کے بعد حاضرین مسجد کے سامنے دعوت واصلاح کے عنوان پر مختصر خطاب کیا جائے اس کے بعد مسلم آبادی میں جماعت کی صورت میں گشت کے لئے نکلا جائے۔ گشت کی جماعت میں کم از کم تین افراد ہوں ایک امیر، ایک متکلم اور ایک رہبر۔ رہبر مقامی ہو تو بہتر ہے۔ گشت میں ملنے والے ہر مسلمان کے سامنے دو تین دین کی باتیں پیش کرے اور مغرب کی نماز میں اسے مسجد میں آنے کی دعوت دے اور مغرب بعد کے خطاب عام میں بیٹھنے کی بھی درخواست کرے۔ بعد نماز کے کوئی ساتھی حاضرین کے سامنے خطاب کرے جس میں امت مسلمہ کے مقصد حیات کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرے۔ اگر اس مقام کے غیر مسلموں کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کا موقع فراہم ہو تو عشاء کے بعد ان کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کر دی جائے۔ اس کے بعد سونے سے پہلے اجتماعی طور پر دن بھر کے کاموں کا مختصر جائزہ لے لیا جائے اور تہجد میں اٹھنے کی ہدایت کر دی جائے اور کوشش کی جائے کہ جماعت کا ہر فرد تہجد کی نماز ادا کرے۔ فجر کی نماز کے بعد حاضرین مسجد کے سامنے درس قرآن دیا جائے اور اشراق کی نوافل ادا کر کے دوسرے مقام کے لئے روانہ ہو جائے۔

اس دس دن کی فراغت کے دوران جماعت کے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ سات موضوعات رکھے جائیں: درس قرآن، درس حدیث، درس فقہ، درس سیرت النبیؐ، درس سیرت صحابہؓ، درس تاریخ اسلام، درس حالات حاضرہ۔ کوشش کی جائے کہ ہر موضوع کی کوئی مستند کتاب جماعت کے پاس ضرور رہے۔ ان موضوعات کے لئے ہر دن کم از کم ساڑھے تین گھنٹے ضرور فارغ کئے جائیں یعنی ہر موضوع کے لئے آدھا گھنٹہ۔ فراغت وقت کا

ماہانہ منصوبہ یہ ہے کہ تحریک کے ہر رکن و کارکن، متفق و ہمدرد اور متوسل کے لئے ایک دن رات کی فراغت لازم کی جائے اور یہ ایک دن رات بھی اسی طرح فارغ کیا جائے جس کی نشاندہی سالانہ منصوبہ میں کی گئی ہے یعنی جماعت کی صورت میں اپنے مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام کے لئے اور اس ایک دن رات میں وہی کام کیا جائے جو سالانہ منصوبہ کے دن رات میں بتایا گیا ہے۔

فراغت وقت کا ہفتہ واری منصوبہ یہ ہے کہ مقامی سطح پر ایک اجتماع عام رکھا جائے اور اس کے لئے گشت ضرور کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اجتماع میں شریک ہو سکیں اور اگر مقام شہر کے درجہ میں ہو تو دو اجتماع کا انعقاد لازم کیا جائے ایک محلہ کا اور ایک پورے شہر کا۔ فراغت وقت کا یومیہ منصوبہ یہ ہے کہ تحریک کے ہر رکن و کارکن و متفق و ہمدرد اور متوسل کے لئے ایک گھنٹہ کی فراغت لازم کی جائے۔ یہ فراغت اجتماعی طور پر ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہو کہ کچھ افراد محلہ کی مسجد یا کسی مکان میں تعلیم و تربیت کریں اور کچھ افراد جماعت کی شکل میں مسلم آبادی میں گشت کریں اور انھیں دینی ذمہ داریوں کا احساس دلائیں اور جو مسلمان کلمہ و نماز کی ادائیگی سے بھی ناواقف ہوں انھیں تعلیم و تربیت کرنے والے افراد انھیں دین کی بنیادی باتیں بتائیں۔ اذکار نماز اور قرآن پڑھنا بھی سکھائیں اور انھیں روزانہ ایک گھنٹہ تعلیم و تربیت کی جگہ پر آنے کے لئے کہیں۔

فراغت وقت کے اس منصوبہ کو دیکھ کر ہو سکتا ہے بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آئے کہ اس میں ایک حد تک تبلیغی جماعت کی نقل کی گئی ہے۔ لیکن میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے یہ منصوبہ تبلیغی جماعت کی نقل میں مرتب نہیں کیا ہے بلکہ تحریک اسلامی کی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا ہے اور پھر ایک خوبی جو دراصل اسلام کی خوبی اور تحریک اسلامی کی ضرورت ہے اگر وہ کسی کے پاس ہے تو اس کو اختیار کرنے میں تحریک اسلامی کو کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔

جہاں تک تبلیغی جماعت کے فراغت وقت کے منصوبہ کا تعلق ہے تو یقیناً وہ ایک اچھا منصوبہ ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تعلیم و تربیت کا نصاب اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔ تحریک اسلامی کے لئے یہ بات کتنی تعجب خیز ہے کہ جو جماعت مسلمانوں کی صرف جزوی اصلاح کے تحت کام کر رہی ہے وہ تو اپنے ہر رکن اور متوسل سے زندگی کی کل فرصت میں چار ماہ کی فراغت

کا مطالبہ کرتی ہے، ہر سال میں چالیس دن کا مطالبہ کرتی ہے، ہر ماہ میں تین دن کا مطالبہ کرتی ہے، ہفتہ میں دو گشت کا مطالبہ کرتی ہے، دن میں ڈھائی گھنٹہ کا مطالبہ کرتی ہے لیکن جو تحریک نہ صرف مسلمانوں بلکہ پورے انسانوں کی اصلاح چاہتی ہے، باطل نظام کو مٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظام لانا چاہتی ہے پھر بھی وہ اپنے ہر رکن وکارکن کے لئے سال میں دس دن، مہینے میں ایک دن، دن میں ایک گھنٹہ کی فراغت کو لازم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اگر اس سلسلہ میں تحریک اسلامی نے فراغت وقت کا کوئی لازمی منصوبہ جلد نہ بنایا تو جو حالات چل رہے ہیں ان کو دیکھ کر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں تحریک اسلامی کے لئے خود مسلمانوں میں کام کرنا مشکل ہو جائے گا، ویسے بھی وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

یوں تو انفرادی لحاظ سے بھی انسان کی زندگی میں وقت کی بہت اہمیت ہے لیکن کسی تحریک کے لئے وقت کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کیوں کہ بعض وقت ایک لمحہ کی ناقدری تحریک کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوتی ہے اور ایک لمحہ کی قدردانی زندگی کا پیغام ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے تحریک کو ہمیشہ ایک ایک لمحہ کی قدردانی میں رہنا چاہئے اور ایک ایک لمحہ کی ناقدری سے بچنا چاہئے۔ وقت کی مثال برف کی طرح ہے اگر اسے استعمال کر لیا جائے تو کام میں آجائے گا ورنہ پگھل کر ضائع ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو وقت کی قدردانی کا بہت زیادہ احساس دلایا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر جو اہم عبادتیں فرض کی ہیں وہ اوقات کے ساتھ فرض کی ہیں۔ جیسے پنج وقتہ نمازیں، رمضان کے روزے، حج بیت اللہ۔ ان عبادتوں کے اوقات کے ساتھ فرض ہونے میں ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ ایمان والوں میں وقت کی قدردانی کا جذبہ پیدا ہو اور وہ زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی سمجھیں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ کا انسانوں کو موت وقیامت کا وقت نہ بتانا شاید یہی پیغام رکھتا ہو کہ انسان وقت کی قدر کرے اور اس کی ناقدری سے بچے۔

لیکن یہ المیہ ہے کہ آج مسلمانوں کے پاس ضروریات زندگی اور لغویات زندگی کے اوقات کی منصوبہ بندی ہے مگر ضروریات دین کے لئے اوقات کی کوئی منصوبہ بندی نہیں ہے۔ لہٰذا ایک تحریکی فرد کو دین کے لئے لازماً اپنے اوقات کی منصوبہ بندی کر لینی چاہئے قبل اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا وقت بند کر دیا جائے۔ ☆☆

مذاہب عالم

ھندو دھرم (۹)

انیس احمد فلاحی

بھگوت گیتا

مفہوم:۔ بھگوت گیتا کے معنی ہیں نغمہ خداوندی، یہ حقیقت میں مہابھارت کا ایک حصہ ہے یہ ۷۰۰ سو شعروں کی ایک چھوٹی سی نظم ہے یہ نظم اس مکالمے سے شروع ہوتی ہے جو مہابھارت کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے میدان جنگ میں ارجن اور کرشن کے درمیان ہوا، ارجن کو اس خیال سے تکلیف ہے کہ اسکے ضمیر میں لڑائی کے خیال اور اسکے نتیجوں کے تصور سے ایک ہیجان واضطراب پیدا ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ عوام کا کشت وخون۔ دوستوں اور عزیزوں کی خون فشانی یہ سب کچھ کس لئے؟ جواب میں کرشن وطن کے دفاع کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے جنگ کی ضرورت واہمیت سمجھاتے ہیں۔

گیتا کا موضوع: بنیادی طور پر گیتا کا موضوع انسانی زندگی کا روحانی پس منظر ہے اور روزانہ زندگی کے عملی مسائل کا تذکرہ اس سلسلے میں ضمنی طور پر آجاتا ہے۔

گیتا کی تعلیمات:۔ نجات کے متعلق گیتا میں تین طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) طریقہ علم، یعنی آدمی کاروبار دنیا اور مشاغل حیات سے کنارہ کش ہو کر علم کی تلاش میں منہمک ہو جائے اور اس مقام پر پہونچ جائے کہ اسے روح اعلیٰ جملہ مخلوقات میں اور جملہ مخلوقات کا عکس روح اعلیٰ میں نظر آنے لگے۔

(۲) طریقہ عبودت، یعنی انسان خدائی بندگی وعبادت میں اپنی پوری زندگی لگا دے اور ریاضت ومراقبے کے ذریعے اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔

(۳) طریقہ عمل، انسان زندگی کے فرائض کو بجالائے اور ازلی خواہشات کی غلامی کو ترک کردے تاکہ اس کا نفس پاکیزہ ہو کر روح اعلیٰ سے جا ملے۔

طریقۂ نجات کے علاوہ گیتا میں درج ذیل تعلیمات دی گئی ہیں۔

۱۔ روح ازلی ہے کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ اس کا جسم بدلتا رہتا ہے۔

۲۔ چھتری کا سب سے اہم فریضہ جنگ کرنا ہے۔

۳۔ اپنی خواہشات کو فنا کرنے کے لئے اپنے نفس سے مسلسل جہاد کرو۔

۴۔ انسان اپنے نفس کا دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔

۵۔ خدا کا مسکن عارفوں کا دل ہے۔

۶۔ علم سے افضل کوئی شئے نہیں۔

قانون کرم کے علاوہ عابدوں کے فرائض، سیاسی امور اور بادشاہوں کے احکام و قوانین پر بھی گیتا میں بحث کی گئی ہے نیز زندگی کے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے گیتا عمل کی ایک پکار ہے لیکن زندگی اس پکار کے پیچھے ہر جگہ ایک روحانی جذبہ اور کائنات کا ایک وسیع اور بلند مقصد جلوہ گر ہے۔

کیا گیتا ایک تصوراتی کتاب ہے؟

بعض ہند مفکرین اور دانشوروں کا خیال ہے کہ گیتا ایک تصوراتی کتاب ہے ڈی ڈی کی کہتے ہیں "میں کرشن کے تاریخی وجود کو نہیں مانتا" ڈاکٹر رادھا کرشنا کہتے ہیں کہ گیتا محض افکار و خیالات کا مجموعہ اور رشد و ہدایت سے خالی کتاب ہے"

وی آر نارلا نے اپنی کتاب "بھگوت گیتا حقیقت کے آئینے میں" گیتا کا مختلف پہلوؤں سے بھرپور جائزہ لیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ گیتا تحقیق اور تجزیہ کی کسوٹی پر پوری طرح مشکوک نظر آتی ہے وہ لکھتے ہیں:

"کیا واقعی کروکشیتر کے مقام پر کوئی عظیم جنگ لڑی گئی تھی؟ اگر ہاں تو کب اور تاریخ کے کس دور میں؟ کیا واقعی کرشن نام کا کوئی فرد تھا جس نے جنگ میں عملی حصہ لینے کے بجائے ارجن کا رتھ بان بننا قبول کیا تھا؟ کیا کرشن کی مہمیز سے ارجن اپنے قریبی عزیزوں اور دوستوں کے قتل عام پر آمادہ

ہوا تھا؟ کرشن اور ارجن کے درمیان یہ گفتگو جو دوران جنگ دن بھر جاری رہی کس نے ریکارڈ کی تھی جو اس گفتگو کا راوی ہے اسکے پاس ایسی کون سی چیز تھی جس نے دور جدید کے الیکٹرانک ذرائع مواصلات ٹیلی ویژن سیٹلائٹس کو بھی مات کر دیا اور وہ پوری جنگ کی کمنٹری اندھے دھرت راشٹر کو سناتا رہا تھا رشی ویاس نے سنجے کو تو بینائے مطلق کی طاقت عطا کردی مگر تعجب ہے دھرت راشٹر نے اپنی آنکھوں کے بارے میں ان سے کوئی استدعا نہ کی اور صرف کمنٹری سننے پر اکتفا کیا۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کروکشیتر کے میدان جنگ میں کرشن کا یہ اپدیش ہیوتی نے کم از کم سو سال بعد نیمیا کے جنگل میں گو کرسنا یہ اپدیش زبانی سنایا گیا تھا اور اسکو تحریری شکل میں آنے میں مزید کئی سو سال اور بقول روایت پرست حضرات ایک لاکھ سال گزر گئے ہوں گے کیا اتنی مدت گیتا محفوظ رہی؟ اس کا کیا ثبوت ہے؟ گیتا کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہے آٹھویں صدی کے شنکر آچاریہ سے قبل گیتا کو کسی نے قابل اعتنا ہی نہیں سمجھا تھا اور آج بھی برہمو سماج اور آریہ سماج کی نظر میں گیتا کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

کیا کروکشیتر میں واقعی کوئی جنگ ہوئی تھی؟ اگر ایسا ہے تو ویدک لٹریچر میں کوروؤں کا نام ہر جگہ ہے مگر پانڈوؤں کا تذکرہ کیوں نہیں ہے؟ رگ وید میں ایک معمولی قبائلی لڑائی تمب کا ذکر ہے جو موجودہ دریائے راوی کے کنارے ہوئی تھی لیکن اتنی بڑی لڑائی کا کہیں ذکر بھی نہیں ہے۔

اس جنگ کے جو اعداد و شمار مہابھارت میں مذکور ہیں وہ صاف طور پر غلط ہیں مہابھارت کے مطابق ۱۸ اکشوہنی (فوج کا ایک ڈویژن) اس جنگ میں شامل ہوئے تھے، ۱۱ اکشوہنی کوروؤں کے اور ۷ پانڈوؤں کے ایک اکشوہنی میں 21870 ہاتھی، 65610 گھوڑسوار 109350 پیادے ہوتے تھے اتنی بڑی فوج کی نقل و حرکت اس دور میں بھی ناممکن ہے پھر اگر گھوڑے پر ایک سپاہی اور ہاتھی پر دو سپاہی اور ہر رتھ پر دو افراد کے حساب سے اندازہ لگائیں تو تقریباً ۴۰ لاکھ افراد نے اس جنگ میں شرکت کی تھی جبکہ مہابھارت اس جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک ارب ۶۶ کروڑ بتائی جاتی ہے جس کا مطلب ہے کہ جنگ میں شریک ہر سپاہی چار سو مرتبہ ہلاک ہوا یہ مبالغہ آرائی کی حد اور حساب

سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

مہابھارت جس دور کی یہ جنگ بتاتی ہے وہ تاریخ کا حجری دور ہے ہڑپہ تہذیب اس دور کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب تھی کھدائی میں اسکے سارے اسلحہ جو برآمد ہوئے ہیں پتھر کے ہیں پھر اس جنگ میں لوہے کے تیر تلوار اور ہتھیار کس طرح استعمال ہوئے؟ سڑکوں اور رسل و رسائل کی عدم موجودگی میں اتنی بڑی فوج کسطرح اکٹھا ہوئی؟

مہابھارت کے مصنف کو ۱۸ کی رٹ کیوں ہے، یہ سمجھنا بھی دشوار ہے جنگ میں ۱۸ کشوہنی فوج تھی، یہ جنگ ۱۸ دن رہی، یدھشٹر کا انتقال اس کے ۳۶ سال (۲_۱۸) بعد کو ہوا۔

اس جنگ کا تذکرہ مہابھارت کے ۱۸ ابواب میں ہے جس کا ایک باب گیتا ۱۸ فصلوں پر مشتمل ہے ابتدائی مہابھارت سنسکرت میں لکھی ہی نہیں گئی اس کا سب سے بڑا ثبوت پانی کی گرامر ہے جس میں اتنی عظیم رزمیہ نظم کا تذکرہ تک نہیں ہے۔

مہابھارت اور بھگوت گیتا کے کرشن کون ہیں۔ اس کا فیصلہ دشوار ہے، کیونکہ ویدک لٹریچر میں دسیوں کرشن ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک کرشن وہ جس کو رگ وید میں راکشش کہا گیا ہے۔ دوسرا اپنشد کا ہے جس کا ذکر چاندوگیا میں ہے، تیسرا کرشن مہابھارت کا کرشن ہے، ایک وشنو پران کا کرشن ہے جو گوالوں کی بیویوں اور لڑکیوں سے جنسی مذاق کرتا ہے، اسی پران میں ایک دوسرا کرشن ہے جو تربوا ندی کے کنارے آباد بودھوں اور جینیوں کو راکشش بنا دیتا ہے، ایک کرشن وہ ہے جس کی تصویر ہم کو برہماوت پران میں ملتی ہے، کرشن ششوپال اور اپنے ماموں کنس کو دھوکے سے قتل کر دیتے ہیں، بھیشم، درونا چاریہ اور دریودھن کو حیلے سے قتل کرنے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔ ایک کرشن بھگت مفسر سکھا تھر یہ کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ممکن ہے ۱۸ دن کی طویل جنگ میں کوئی فروگزاشت ہو گئی ہو۔ ۱۸ دن کی جنگ اور طویل؟

منور باہری نے اپنی کتاب "قدیم ہندوستان میں سیاست اور اقتدار" میں لکھا ہے کہ کرشن کی وجہ سے کروکشیتر کی جنگ میں کئی بے گناہ اموات ہوئیں۔ جب دریودھن اور بھیم میں جنگ جاری تھی تو

کرشن نے حیلے سے بھیم سے کہا کہ اس کی جانگھیں توڑ دے۔ کیوں کہ یہی اس کا کمزور مقام ہے۔ یہ حقیقت تھی جو صرف کرشن کو معلوم تھی اور پیٹ کے نیچے کے حصے پر وار کرنا اصول جنگ کے خلاف اس لیے کرشن کا سوتیلا بھائی بلرام جب غصے میں بھیم کی طرف بڑھا تو کرشن نے اسے سمجھا کر رخصت کر دیا جب؟ صرف یہ کہ اصل ذمہ دار کرشن تھا۔ جہاں تک کرشن کو بھگوان یا اس کا اوتار ماننے کا تعلق ہے تو پچاپورم کی شاستری پنڈیالا نے ان معجزات و کرامات پر وضاحت سے روشنی ڈالی ہے جو کرشن سے منسوب ہیں اور لکھا ہے کہ "پوتنا" کوئی بھوتنی نہیں تھی جسے کرشن نے ختم کر دیا ہے۔ بلکہ بچوں کی ایک بیماری کا نام ہے اور قدیم آیورویدک کتب میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

کرشن کی ازدواجی زندگی بھی عجیب ہے۔ اس کی بیویوں کی تعداد ۱۶۰۲۲ اور بیٹوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی گئی ہے۔ بہن کوئی نہیں ہے۔ کرشن نے دوارکا کا شہر آباد کیا تو ہری ونش پران کے مطابق ہزاروں کی تعداد میں طوائفیں وہاں آباد کیں۔ ہزاروں شراب خانے بنائے۔

کرشن کے بیٹے سانبا نے تو غضب ہی کر دیا اور وہ کرشن کی سولہ ہزار بیویوں کو لے بھاگا جس پر کرشن نے اسے کوڑھی ہو جانے کی بد دعا دی۔

گیتا میں اپنشدوں سے نہ صرف سرقہ کیا گیا ہے بلکہ جگہ بعض جگہ پوری پوری عبارتیں اٹھا کر اس میں سجا دی گئیں ہیں۔ اس میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ اس قدر پیچیدہ در پیچیدہ ہے کہ اس سے ہر آدمی ہر مفہوم نکال سکتا ہے اسی لئے گیتا گاندھی کی پسندیدہ کتاب ہے اور گاڈسے کی بھی۔

مذکورہ بالا بحث سے ان لوگوں کی رائے کی تائید ہوتی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ گیتا دراصل ایک فرضی و تخیلاتی کتاب ہے جس کا مقصد برہمنی مت کے خلاف اٹھنے والی دو عظیم تحریکوں، بدھ مت اور جین مت کے عوامی اثرات کو کم کرنا اور برہمنوں کی قیادت کو دوبارہ قائم کرنا اور خود کو فراخ دل ظاہر کرنا تھا۔

انڈونیشیا..... عیسائیت کی زد میں

ادارہ

عظیم اسلامی ملک انڈونیشیا ایک بار پھر بحران کے اندر گھر گیا ہے۔ جنرل سہارتو کے بعد برہان الدین یوسف حبیبی کو صدر مملکت بنایا گیا، لیکن اسلام پرستوں سے ان کی راہ و رسم اور طیارہ سازی کی صنعت میں غیر معمولی خود کفالت ان کے لئے مورد الزام بن گئی، ۲۰ ماہ قبل نہضۃ العلماء کے عبدالرحمن واحد نے اقتدار سنبھالا تو گولکر پارٹی اور متحدہ ترقیاتی پارٹی (پی پی پی) نے واحد کو نجات دہندہ قرار دیا تھا لیکن فسادات عروج پر پہنچے ہیں تو صدر سے استعفاء کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اس صورت میں جمہوری پارٹی کی سربراہ اور موجودہ نائب صدر سکارنو کی بیٹی میگاوتی کے صدر بننے کی راہ ہموار ہو جائے گی۔ میگاوتی کی راسخ العقیدہ اور روشن خیال ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کی جماعت پی ڈی پی آئی کے ۷۰٪ عہدہ دار چینی النسل ہیں یا مسیحی ہیں۔

وسائل سے مالا مال انڈونیشیا سے مشرقی تیمور کو علاحدہ کروانے میں استعماری قوتوں کی کامیابی نے اس خوف ناک حقیقت کو واشگاف کر دیا ہے کہ ۹۰٪ مسلم اکثریت کے ملک کو ۹۔۱۰ فیصدی مسیحی اقلیت کے زیر نگین کیا جا سکتا ہے۔ ۵ فیصد چینی النسل ایشیائی آبادی تمام تر معیشت پر قبضہ جمائے بیٹھی ہے۔ اکبر تانجنگ، میگاوتی، امین رئیس اور جنرل اندرپار تونو ستار توتن تنہا ملک کو خلفشار سے نکالنے، اقتصادی بحران ختم کرنے، اور ملک کو متحد رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ عبدالرحمن واحد کو معزول، برخاست یا مستعفی کرایا گیا تو جو فرد برسر اقتدار آئے گا وہ عیسائی مؤثر گروہوں کا نمائندہ ہو گا یا ان کے رحم و کرم پر ہو گا۔

آچے، ایریان جایا، ریاو اور دو اصوبوں میں علاحدگی کی تحریکیں عروج پر ہیں، جزائر ملاکا میں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے خلاف مسلح ہو کر صف آرا ہیں۔ سہارتو کے دور حکومت میں بھی اور اس کے بعد گذشتہ تین برسوں میں ۱۰ فیصد مسیحی اقلیت نے کلیدی مناصب تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ چار اہم ترین وزارتیں ان کے پاس ہیں۔

وزارت صنعت و تجارت لوہوت بنسارجن کے پاس ہے۔ مذہباً پروٹسٹنٹ اور ملٹری اکیڈمی کے فارغ التحصیل ہیں۔ سنگاپور میں انڈونیشیا کے سفیر رہے ہیں۔ لوہوت کا وعدہ تھا کہ ۸۰ ارب امریکی ڈالر کا سرمایہ جو صنعت کار انڈونیشیا سے نکال لے گئے ہیں، یہ واپس لاؤں گا۔ لیکن اس میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی، تاہم روپے کی قیمت اور بھی گر گئی۔ لوہوت کے سابق حکمران خاندان سے بھی خوش گوار مراسم رہے ہیں، نیز اقتصادی شہ رگ کی مالک چینی آبادی کے سربرآوردہ لوگوں سے بھی گہرے تعلقات ہیں۔

بنگاران سراگی وزیر زراعت اور مذہباً پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں وہ بوگور انسٹیٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں زرعی اقتصادیات کے استاد رہے ہیں اور ان کی کئی تحقیقات منظر عام پر آچکی ہیں انڈونیشیا کے ۱۲ کروڑ مسلمان کسانوں کی حالت زار میں کوئی بہتری نہ آسکی، تاہم وزارت زراعت میں تعلیم یافتہ عیسائی اہم عہدوں پر ضرور متعین ہو چکے ہیں اس کے علاوہ وزیر توانائی و معدنیات پرنومو یس گیانترو کیتھولک عیسائی ہیں۔ ان کا تعلق جاوا سے ہے اور جاوا کے رہنے والے ملک کی مجموعی سیاست پر اثر انداز رہتے ہیں وہ جکارتا کی اتما جایا کیتھولک یونیورسٹی سے طویل عرصہ منسلک رہے اور بعد ازاں عالمی بینک کے مشیر بن گئے، وہ تیل معاش اور برآمد کرنے والی کمپنیوں کے بھی انچارج رہے جن کے اثاثے اربوں ڈالر ہیں۔ ان کی امریکی سفیر رابرٹ ایس گیلبارڈ سے قریبی دوستی ہے، مذہب بھی ایک ہے اور امن عالم قائم کرنے کا طریقہ بھی ایک، علاوہ ازیں انڈونیشیا بینک کی تعمیر نو ایجنسی کے سربراہ ایڈون گروکان بھی عیسائی ہیں۔

اس موقع پر تھیو کا ذکر بھی ضروری ہے۔ میجر جنرل ریٹائرڈ تھیو سیافی مسلکاً پروٹسٹنٹ ہیں، وہ مکاسار کے رہنے والے ہیں، مسلم مسیحی فسادات بھڑکانے میں انھیں ید طولیٰ حاصل ہے اور ان کا یہ جملہ تو مشہور ہے مجھے یہ پسند ہے کہ انڈونیشیا کی تقسیم ہو جائے بجائے یہ کہ یہاں کوئی مسلمان حکومت کرے۔ تھیو میگاوتی کے معتمد خاص اور ان کی جمہوری پارٹی کے نائب سربراہ ہیں۔ میگاوتی پر اس قدر اعتماد کرتی ہیں کہ وہ انھیں کئی بار پارٹی کا سربراہ بنانے کا اعلان کر چکی ہیں، اقتدار ملنے کی صورت میں اصل فیصلے اور وزارتوں کی تقسیم تھیو ہی کو کرنا ہے۔ تھیو فی الوقت میگاوتی کے اقتدار کی راہ ہموار کرنے میں مصروف ہیں: صدر واحد نے میگاوتی کو جن شورش زدہ

علاقوں کا انچارج بنایا گیا۔ تیمور کے مشورے پر میگا نے وہاں خاموشی اختیار کئے رکھی اور نتیجہ یہ نکلا کہ ہنگامے اور فسادات بڑھتے ہی چلے گئے۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ میگا اپنے مسیحی عہدے داروں اور مشیروں پر خاص اعتماد کرتی ہیں۔ یہاں ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ انڈونیشیا کی سراغ رسانی ایجنسی کے نائب سربراہ جنرل یوس منکو اور سربراہ لفٹننٹ جنرل آرمی جیفرے کمانت ہیں، نیز فوج کے اسٹرے ٹیجک سراغ رسانی شعبہ کے سربراہ میجر جنرل شیوم ہنگ ہیں اتنے اہم عہدوں پر عیسائیوں کا تعینات ہونا حسن اتفاق بہرحال نہیں ہے اب جب کہ عبدالرحمٰن واحد پر ۳۶ کروڑ ڈالر قومی ادارے (بلوگ) کے ذریعہ غصب کرنے کا الزام ہے اور سوہارتو کے قریبی حلیف امین رئیس (اب قومی مجلس MPR کے سربراہ) اسپیکر اسمبلی اکبر تانجنگ اور نائب صدر میگاوتی صدر واحد سے کھلم کھلا علاحدگی کا اعلان کر رہے ہیں۔

برطانیہ سے شائع ہونے والے جریدے اپیسٹ انٹر نیشنل (مارچ ۲۰۰۱ء) کی رپورٹ کے مطابق عیسائیوں کی ہمنک یہ رہی ہے کہ اسلامی قوتوں کو تقسیم در تقسیم کیا جائے، نهضۃ العلماء اور محمدیہ دو بڑی جماعتیں ہیں ان کے درمیان تفریق پیدا کرنے اور خلیج وسیع کرنے میں اسی گروہ کا اہم کردار ہے۔ نهضۃ کے سربراہ عبدالرحمٰن واحد ہیں اور چار کروڑ پیروکاروں کے دعویدار ہیں جب کہ امین رئیس محمدیہ کے سربراہ رہے ہیں، جن علاقوں میں فسادات برپا ہوئے یا آج کل جاری ہیں وہاں مسلم علماء، اساتذہ اور قائدین کو اولین طور پر نشانہ بنایا جا رہا ہے چاہے مشرقی جاوا ہو یا آچے یا مدورا۔ مشرقی تیمور کی طرز پر عیسائیوں نے مختلف صوبوں میں تربیت یافتہ کمانڈوز اور نیم فوجی افراد کے دستے منظم کر لئے ہیں۔ ملاکا میں ریڈ آرمی آف جیسس اور وہ بے ساولسی میں بلیک بیٹ آرمی ہے اور مورچے بند ہو کر مسلمانوں کے خلاف لڑ رہی ہے۔

انڈونیشیا میں مقیم عیسائیوں کا متحرک ترین محاذ میڈیا ہے اور انڈونیشیا کے حوالے سے تازہ ترین اور گرما گرم خبریں بیرون ملک روانہ کی جاتی ہیں۔ انڈونیشیا کو بدنام کیا جاتا ہے اور غیر ملکی اداروں مثلاً عالمی بینک اور اقوام متحدہ کے اداروں کا اثر و رسوخ بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ ☆☆

(شکریہ "نقیب" پٹنہ)

فقہ و فتاویٰ

ابرار قمر فاروقی

سوال: کیا کافروں کی تعزیت کرنا جائز ہے؟

جواب: کافروں کی تعزیت کرنا جائز و درست ہے کیونکہ جب ان کے مریضوں کی عیادت شرعاً ثابت ہے، تو میت کے ورثاء کی تعزیت تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی، سلف صالحین سے کافروں کی متعلق مختلف تعزیتی کلمات منقول ہیں۔ امام ثوری کہتے ہیں "للہ السلطان والعظمۃ" (یعنی اللہ کے لئے اقتدار وعظمت مختص ہے) کہا جائے۔

سید التابعین حسن بصری کہتے ہیں "لا یصیبک الا خیر" کہا جائے (یعنی تمہیں صرف خیر و بھلائی ہی پہونچے)، حقیقت یہ ہے کہ تعزیتی کلمات احوال و اشخاص کی مناسبت سے کہے جائیں البتہ تعزیتی کلمات میں کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جسمیں میت کے حق میں دعا کا پہلو ہو یا جس سے زندہ شخص کو تقویت ملے۔

سوال: کیا عورت ایسا لاکٹ پہن سکتی ہے جس پر آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہوں؟

جواب: ایسے لاکٹوں کا استعمال جن پر قرآنی آیات لکھی ہوں جائز ہے البتہ تمام، وا ستنجاء خانہ میں داخل ہونے سے پہلے اسکو اتارنا واجب ہوگا کیونکہ قرآنی آیات کی تقدیس ان کا احترام ہر صورت میں واجب ہے۔

شعر و نغمہ

آمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

قمر رام نگری

چھیڑو خوشنوا جاکر ہر جانب پکار آئے ! عجم کے شہریار آئے عرب کے تاجدار آئے
یتیموں بے نواں بے کسوں کے غم گسار آئے سکون قلب مضطر بے قراروں کے قرار آئے
زمانے میں نبی آئے کوئی تو صد ہزار آئے مرے آقا مگر نبیوں کے بن کر تاجدار آئے
ہے جن کی آمد آمد سے خزاں شرمائی شرمائی لئے صد خلد رنگ وہ بہاروں کے بہار آئے
ترانے نعت کے گاتی تھیں حوریں خلد سے آکر جب عبداللہ کے آنگن میں وہ جلوہ بار آئے
ازل سے تا ابد شہرہ تھا جن کی آمد آمد کا ابھی تھے منتظر جن کے وہ جان انتظار آئے
رخ تاباں ہے جن کا سورۂ والشمس کا عنواں لئے واللیل کی شانوں پہ زلف مشکبار آئے
وہ جن کی شان میں یٰسین وطٰہٰ رب نے فرمایا وہ محبوب خدا وہ صاحب عز و وقار آئے
ہے جن کی ٹھوکروں میں کروفر قیصر و کسریٰ وہ کملی والے پیغمبر بہ عجز و انکسار آئے
کیا ظلم و ستم جنگ و جدل کا خاتمہ جس نے مجسم رحمت و رافت سراپا پریم پیار آئے
وہ جن کے بعد پھر کوئی نبی آیا نہ آئے گا وہ ختم المرسلیں آخر رسول ذی وقار آئے
مٹی تاریکی شب سارا عالم جگمگا اٹھا خدا کا نور بن کر جب وہ مہر زرنگار آئے
جہاں پر دم تھا جب اہل عرب کا خشک سالی سے وہ رحمت جان رحمت شکل ابر نو بہار آئے
شب اسریٰ حضور رب جو پہنچے عرش پر آقا ملائک خیر مقدم کو قطار اندر قطار آئے
انھی نے کردیا تبلیغ دیں کا حق ادا بے شک جو اصحاب مکرم اور نبی کے چار یار آئے
سدا رکھتے ہیں جو پیش نظر آقا کی سنت کو بتائیں کیا قمر آقا کو ان پر کتنا پیار آئے !

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جامعہ کے لیل و نہار

ابو طلحہ فلاحی

حج بیت اللہ سے اساتذۂ جامعہ کی واپسی

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد مسرت ہو رہی ہے کہ ماسٹر منور احمد صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی اپریل کے اوائل میں مناسک حج کی ادائیگی کے بعد جامعہ واپس تشریف لا چکے ہیں۔ ان کے مشاہدات انشاء اللہ آئندہ شمارے میں ہدیہ قارئین کئے جائیں گے۔ اللہ عزو جل سے دعا ہے کہ وہ ان کے حج کو شرف قبولیت سے نوازے۔

ششماہی امتحان

حسب اعلان ششماہی امتحان کا آغاز دس مئی سے ہو رہا ہے اس وقت طلبہ ہمہ تن امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ اے کاش ہمارے دلوں میں حقیقی امتحان کی فکر پیدا ہو جاتی اور پوری ملت خواب گراں سے بیدار ہو کر اس کی تیاریوں میں لگ جاتی کہ یہی چیز اس کی عظمت رفتہ کی بازیابی کی بھی ضامن ہے اور آخرت میں خوشنودی رب کے حصول کی بھی۔

جائزہ کمیٹی

تعلیم و تربیت کے نظام میں معائنہ کی زبردست اہمیت ہے اس سے نتائج کا پتہ چلتا ہے اور نظام تعلیم و تربیت میں موجود کمیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ جن کے تدارک کے بغیر نظام تعلیم و تربیت کو بہتر اور مفید بنانا ممکن نہیں۔ انھیں مقاصد کے حصول کے لئے جامعہ وقتاً فوقتاً مختلف مدارس اور کالجوں کے اساتذۂ کرام کے ذریعہ اپنے تعلیمی و تربیتی نظام کا جائزہ لیتا ہے ایسا ہی ایک جائزہ ۲۳؍۴؍۲۰۰۱ء کو ڈاکٹر محمد احمد صاحب استاذ شبلی کالج کے زیر نگرانی لیا گیا۔ کمیٹی کے افراد اور صدر نے اساتذۂ کرام کی کارکردگی کو مجموعی طور پر پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا صدر کمیٹی جناب ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اپنے مشاہدات اور تعلیمی تجربات کی روشنی میں اساتذۂ کرام کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے تعلیم کے دوران سوالات کی اہمیت

بلیک بورڈ اور جملہ تعلیمی وسائل کے استعمال پر زور دیتے ہوئے تدریس میں منصوبہ بندی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

جمعیۃ الطلبہ کے تن مردہ میں نئی روح

جامعۃ الفلاح کے قیام اور اس کے تعلیم و تربیت کی تشکیل میں جامعہ کے بانیین کی نظر اول روز ہی سے اس جانب رہی کہ جامعہ کے ذریعہ ایسے افراد تیار کرنا ہے جو آنے والے دنوں میں تحریک اسلامی کے لئے کمک کا کام دے سکیں۔ الحمد للہ جامعہ کا نظام تعلیم و تربیت اپنے آپ میں نہایت جامع اور خود کفیل ہے۔ مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے ممکنہ تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ ان تدابیر کا ایک اہم حصہ زیر تعلیم طلبہ رطالبات کی تنظیم جمعیۃ الطلبہ رجمعیۃ الطالبات ہے۔

جمعیۃ الطلبہ اپنی ظاہری ہیئت اور معنوی افادیت کے پہلو سے نظام جامعہ کا ایک اہم حصہ ہے۔ اول روز سے طلبہ کی تعلیم و تربیت میں اس کا اہم کردار ہے۔ بالخصوص مقاصد زندگی کی تعیین اور صحیح اسلامی فکر کی تشکیل میں اس کی سرگرمیاں ناقابل فراموش ہیں۔ سوء اتفاق گذشتہ کچھ سالوں سے بعض وجوہ سے یہ تنظیم کچھ محدود ہو گئی تھی اور اس کی سرگرمیاں بھی متاثر ہو گئی تھیں۔ جمعیت کی اس کیفیت کو ذمہ داران نے شدت سے محسوس کیا اور ضرورت محسوس کی کہ اس ادارے کو از سر نو متحرک اور فعال بنایا جائے کیوں کہ اس کی عدم تحریکیت اور عدم فعالیت کی بنا پر متعدد مسائل پیدا ہونے لگے تھے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ذمہ داروں نے جمعیت کے لئے ایک مؤثر لائحۂ عمل ترتیب دیا اور اس کی فعالیت کو متاثر کرنے والی دیگر سرگرمیوں کو معقول انداز سے مربوط کیا گیا۔

الحمد للہ سال رواں کا آغاز ایک عزم اور حوصلے سے کیا گیا۔ جمعیۃ الطلبہ کے نظام کو درست کر کے ذمہ داروں کا انتخاب کرایا گیا۔ اور تمام ذمہ داروں کو ان کے فرائض باور کرائے گئے۔ اساتذہ و ذمہ داران نے خصوصی توجہ دے کر جمعیت کے تمام شعبوں کو متحرک اور فعال بنانے کی کوشش کی۔ ذمہ داران، نگران حضرات اور طلبہ کی دلچسپی کی وجہ سے بحمد اللہ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جمعیت پورے نشاط کے ساتھ سرگرم عمل ہو گئی ہے۔ اس کے ذریعہ تقریر و تحریر کی مشقیں درجات میں اور دار الاقامہ میں جاری ہیں۔ پروگراموں کا ایک جامع

خاکہ بنا کر زیر عمل لایا جا رہا ہے۔ انگریزی، عربی، اردو، ہندی کی تقریریں اور تحریری مشقیں احسن طریقے سے ہو رہی ہیں۔ طلبہ رطالبات کے ہفتہ وار دیوال میگزین نکل رہے ہیں۔ پروگراموں میں تمام ہی طلبہ دلچسپی لینے لگے ہیں۔ ان کے پروگراموں کی نگرانی اور رہنمائی کے لئے اساتذہ کو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ فضیلتین کی رہنمائی مولانا رحمت اللہ اثری صاحب، مولانا محمد طاہر مدنی صاحب، ماسٹر منور صاحب کے ذمہ ہے۔ عربی چہارم اور پنجم کی رہنمائی و نگرانی کے فرائض مولانا عبد السلام صاحب اصلاحی، مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی اور مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی انجام دے رہے ہیں۔ عربی اول و دوم کی رہنمائی کے لئے چار اساتذہ اپنی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں اس طرح شعبہ ثانوی اور عربی اول کے لئے علیحدہ نظم ہے اور ان درجات کے طلبہ نگران حضرات کی نگرانی میں پروگرام کرتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت ۴ وال میگزین اردو، انگریزی، ہندی اور عربی میں طلبہ نکال رہے ہیں۔ لائبریری اور دار المطالعہ کا نظام مزید منظم بنا دیا گیا ہے۔ پوری دلچسپی سے طلبہ استفادہ کر رہے ہیں۔ لائبریری دار المطالعہ روزانہ بعد عصر کھلتا ہے اور طلبہ کتاب جاری کراتے ہیں۔ جو نظام طلبہ میں ہے اسی طرح کا نظام طالبات میں بھی جاری ہے۔

اللہ کا شکر ہے سال کے آغاز میں جو مثبت اقدامات کئے گئے تھے اس سے جمعیت کافی متحرک ہو گئی ہے۔ طلبہ کے اندر تعلیم کے لئے یکسوئی پائی جا رہی ہے۔ طلبہ کی ہم نصابی سرگرمیاں مربوط ہو گئی ہیں۔ کسی طرح کی گروپنگ نظر نہیں آتی ہے۔ طلبہ یکسوئی کے ساتھ ذمہ داروں کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں۔ طلبہ کی دعوتی سرگرمیوں کے لئے جمعہ کے روز اطراف کی مساجد میں خطابات کے پروگرام طے کئے گئے ہیں فی الحال پندرہ گروپ باقاعدگی سے قرب و جوار کے مواضعات میں جا کر خطبات جمعہ دیتے ہیں۔ sports کا نظام درست ہوا ہے۔ کھیل کے سامان شروع سال میں آگئے ہیں۔ بعد نماز فجر P.T. ماسٹر کی نگرانی میں بچے ورزش کرتے ہیں۔

دعائے صحت کی درخواست

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ استاذ محترم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب اصلاحی کے بڑے بھائی جناب مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی جو

نائیجیریا میں دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دے رہے تھے ۲۷ اپریل ۲۰۰۱ء کو ایک کار حادثہ میں شدید طور پر زخمی ہو گئے ہیں۔ اللہ رب العزت موصوف کو شفاء عاجلہ وکاملہ عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

احاطۂ مسجد کی توسیع

مسجد جامع کی نئی توسیع کے بعد اس کی مناسبت سے صحن مسجد کی توسیع کا کام جاری ہے چاروں طرف سے دیواریں اٹھائی جا چکی ہیں۔ فرش کی تزئین کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اظہار تعزیت

یہ خبر فلاحی برادران کے لئے شدید باعث رنج وغم ہوگی کہ محترم اسرار احمد صاحب فلاحی جیراجپوری کی والدہ محترمہ اپریل کے اواخر میں اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ موصوفہ نہایت متقی اور صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ ☆☆